*Al-Hikmat*
Volume 28 (2008), pp. 17-42

# مسلم فلسفے کا مقدمہ

علی رضا طاہر*

**خلاصہ**: قوموں کی سیاسی، معاشی اور اخلاقی زبوں حالی کا سفر ان کے علمی انحطاط سے شروع ہوتا ہے۔ اسلامی دنیا کی اکثریت کی بے مائیگی کا یہ عالم ہے کہ ایک طرف تو وہ اپنے علمی و فکری سرمائے کی زرخیزی اور اثر انگیزی کے ادراک سے اس لیے عاری ہے کہ وہ عربی و فارسی کی تفہیم سے قاصر ہے جس میں ہمارا بیشتر علمی و فکری سرمایہ موجود ہے اور دوسری طرف عصرِ جدید میں ہونے والی علمی و فکری پیش رفت سے اس لیے بیگانہ ہے کہ اُسے جدید مغربی زبانوں پر دسترس نہیں ہے۔ ایسے میں اُن بعض متعصب مستشرقین کی کاوشوں کے بارآور ہونے کے لیے فضا ہموار ہوئی جنھوں نے اسلامی فکری روایت کی ایک ایسی دھندلی، مبہم اور غیر واضح تصویر پیش کی جس کے مطابق مسلم علم کلام ایسی لایعنی بحثوں کا مجموعہ ہے جس سے کوئی بھی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، جبکہ مسلم فلسفہ، افلاطون اور ارسطو کے افکار کی خوشہ چینی کے ماسوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ جہاں تک تصوف و عرفان کا تعلق ہے اُس کی حیثیت عیسائیت، یہودیت، بدھ مت، مجوسیت اور ہندومت کے ملغوبہ کے علاوہ کچھ اور نہیں۔

---

* ڈاکٹر علی رضا طاہر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فلسفہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔ 54590 (پاکستان)

اس تصویر کشی سے ایک نوخیز ذہن کے سامنے اسلامی فکری روایت کا ایک ایسا تصور ابھرتا ہے جو ایک طرف تو غیر مربوط، غیر حقیقی، غیر منطقی اور غیر عقلی ہے اور دوسری طرف ہر طرح کی تخلیقیت اور ندرت و جدت سے عاری ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ظہور اسلام سے شروع ہونے والا فکری دھارا تاریخ کے مختلف ادوار میں دانش کے موتی رولتا اور حکمت کے نئے در کھولتا آج بھی فکری سنجیدگی اور علمی تمکنت کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ جس میں ماضی کا ورثہ بھی ہے حال کی شگفتگی بھی ہے اور مستقبل کی اُمید بھی۔ ''مسلم فلسفے کا مقدمہ'' کے عنوان کے تحت زیر بحث مضمون میں ہم نے اسلامی فکری روایت کے اسی تسلسل اور اُس کے مختلف شعبوں کے باہمی ارتباط کو مستند تاریخی حوالوں کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

فکر کا سب سے بڑا اور بنیادی و اساسی وصف یہ ہے کہ یہ جامد و ساکن نہیں ہوتی بلکہ متحرک ہوتی ہے لہٰذا یہ افراد و اقوام، رنگ و نسل، علاقہ و وطن، عقیدہ و مذہب اور زمان و مکان کی حدود و قیود کو توڑ کر طول تاریخ کے ثمرات انسانیت کے دامن میں ڈال کر آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس کی مثال ایک ایسی جوئے رواں کی ہے جس میں مختلف سمتوں سے اُجلے اور نتھرے پانی کے چشمے اور آبشاریں آ کر ملتی جاتی ہیں، اور یوں فکر کا یہ کارواں لحہ بہ لحہ اپنے تکامل کی منازل کے حصول میں گامزن ہے۔ اس ضمن میں اہم بات یہ ہے کہ مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں سے آنے والے فکری دھارے، افکار کی اس جوئے رواں میں اسی قدر اور اتنی دیر شامل رہتے ہیں جتنی ان میں سچائی، اصلیت، حقیقت، واقعیت، عقل، تدبر، تفکر اور فطرت سے قربت ہوتی ہے۔ مقدور بھر اس جوئے رواں میں شامل رہنے کے بعد، اپنی مخصوص سطح، حد اور استعداد و صلاحیت کی وجہ سے، نئے زمان و مکان اور حالات و واقعات سے موافقت و مطابقت پیدا نہ کر سکنے کے سبب یہ مخصوص دھارے اور فکری لہریں آہستہ آہستہ کناروں کے ساتھ لگتے چلے جاتے ہیں اور وہ فکری دھارا جس میں تفکر، تدبر، تحیر، تعجب، استفسار، استفہام، موضوعیت، معروضیت، جذب

باطن، تسخیرِ فطرت، اعتدال اور میلان عقلیت سب سے زیادہ ہوتا ہے وہ اس فکری ندی کی روح رواں بن جاتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا ہے جب تک اس میں نئے حالات اور نئے زمان ومکان سے ہم آہنگ ہونے، نئے تقاضوں کو سمجھنے اور انھیں آگے منتقل کرنے کی صلاحیت باقی رہتی ہے اور جب تک کوئی اس سے زیادہ طاقتور فکری دھارا اس میں شامل ہوکر اس کی حیثیت ثانوی نہیں کر دیتا۔

مسلم فلسفہ سے ہماری مراد وہ طاقتور فکری دھارا اور وہ صاف وشفاف تہذیبی وثقافتی چشمہ جاری ہے جس نے نہ صرف یہ کہ ( کائنات کی تشریح وتعبیر اور تفصیل وتفسیر ایک بالکل نئے انداز سے کی، انسانیت کے مسائل کو ایک بالکل اچھوتے انداز سے حل کیا، تہذیب وتمدن، اخلاق واقدار، سیاست ومعاشرت، اقتصادوثقافت اور علوم وفنون کے نئے معیار فراہم کئے ) خدا، انسان اور کائنات کے باہمی تعلقات کی تمام جہات کو ایک نئی مابعد الطبیعیات پر تعمیر کیا بلکہ تمام گذشتہ فکری روایات کے مثبت اور صحت مند عناصر کو اپنی مخصوص مابعد الطبیعیات کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد خود میں شامل کر لیا اور تا حال اس فکری وتہذیبی سرمائے کا وارث وامین ہونے کا دعویدار ہے۔

## ظہور اسلام اور مسلمان مفکرین کا کارنامہ

ظہور اسلام سے قبل دنیا بھر کے نمایاں فکری دبستانوں کے عقائد وافکار سرزمینِ عرب و ایران پر مختلف صورتوں میں جمع ہو چکے تھے مثلاً ہند ومذہب کے ''روحیت مظاہر''، ''تعدد ارباب'' تناسخ اور رہبانیت کے عقائد 1 فلسفہ یونان کے وجود، عدم، واجب، ممکن، جوہر، زمان اور مکان کے مباحث 2 اسکندرانی وسریانی فلسفہ کے خدا کا مجرد تصور، دنیائے حواس سے بیزاری اور خدا اور کائنات کے درمیان واسطوں کے تصورات سرزمین ایران پر جمع ہو چکے

تھے۔3 اس کے علاوہ ایران میں درج ذیل علمی مراکز قائم ہو چکے تھے:

۱۔ بیت اردشیر یا ریوادشیر (رے شہر)

۲۔ سلوکیہ

۳۔ بیت الاباط یا گندشاپور (جندیشاپور)

۴۔ مرو

۵۔ بلخ4

اور اسکندریہ و سریانی علمی مراکز کے علوم و افکار، اسکندریہ اور انطاکیہ سے ہوتے ہوئے ''حران'' میں جمع ہو چکے تھے۔5 جو کہ اس وقت کی اسلامی قلمرو میں شامل ہو چکا تھا، اسی طرح چینی، بابلی، صابی اور مصری افکار و عقائد بھی مختلف وسیلوں سے اسلامی سلطنت کی حدود میں داخل ہو چکے تھے جہاں اسلام کو ان تمام علوم اور تہذیبوں سے سامنا کرنا پڑا۔ مسلمان مفکرین نے اسلام کی خالص، عادلانہ، ہمہ گیر، ہمہ جہات اور آفاقی و ابدی روح کی میزان پر سابقہ تمام نظریات کو پرکھا اور تین کام انجام دیے۔

۱۔ تمام سابقہ علمی وفکری سرمائے کو، ایک زندہ، متحرک اور پُر مایہ زبان یعنی عربی میں منتقل کیا۔ جو اس وقت کی وسیع و عریض عالمگیر تہذیب کی بنیاد تھی۔ اور جس کو آئندہ نوع انسانی کی تمام جہات میں ترقیوں کو اساس فراہم کرنا تھی۔ یوں سابقہ علمی و فکری ورثہ گوشۂ گمنامی سے نکل آیا اور ضائع ہونے سے بچ گیا۔

۲۔ اس سابقہ علمی وفکری سرمائے پر گہرے غور و خوض کے بعد اس میں سے سنگریزے اور گوہر کر جدا کیا اور جو چیزیں نوع انسانی کے لیے ضرر رساں تھیں انھیں الگ کیا اور جو انسانیت کے لیے ثمر بخش تھیں ان کی شیرازہ بندی کی۔

۳۔ سابقہ بے جہت و بے سمت اور منتشر و پراگندہ افکار ونظریات اور علوم وفنون کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ایک جہت اور ایک سمت عطا کی (جو کہ انسانیت کی فلاح وبہبود اور رشدوتکامل کی جہت تھی) اور عظیم فکری نظام تعمیر کرتے ہوئے تمام جدید علوم کی اساسیات مرتب کیں اور تمام میدانوں میں جدید ترقیات کے امکانات کو روشن کیا۔

مذکورہ بالا تینوں امور کو مختصراً تین مرحلوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ مرحلہ اول۔ دیگر زبانوں سے علوم وافکار کا عربی میں ترجمہ

۲۔ مرحلہ دوم۔ ان افکار کی تفہیم، ان پر غور وخوض اور ان کا تجزیہ وتحلیل۔

۳۔ مرحلہ سوم۔ عظیم و بے مثال نظام ہائے فکر، علمی وسائنسی کہکشاؤں اور تہذیبی وثقافتی تاج محلوں کی تعمیر۔

**اسلام کی آمد کے بعد مختلف علوم کی رشدونمو کے اسباب**

اگرچہ بعد کی صدیوں میں اسلام نے اپنی جامع، ہمہ گیر اور آفاقی روح کے سبب (جو کہ دنیا کے تمام مذاہب سے اس کا امتیازی وصف ہے) دنیا بھر کے قدیم فکری اور تہذیبی وتمدنی سرمائے کے مثبت عناصر سے استفادہ بھی کیا۔ لیکن درحقیقت اسلام میں مختلف علوم کی رشدونمو کا سبب اسلامی روح کے درج ذیل فطری اور ذاتی خصائص اور موضوعی ومعروضی احوال ہیں:

۱۔ وحی الٰہی کا حیات وکائنات کے تمام شعبوں پر حاوی ہونا۔

۲۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں علم وعمل، فکر وتدبر، غور وخوض، تجربہ ومشاہدہ، تجزیہ وتحلیل، دریافت آفاق و انفس اور مطالعہ فطرت کی

(رنگ، نسل، قوم، مذہب اور علاقے کے امتیاز کے بغیر) نہ صرف ترغیب وتشویق بلکہ اسے امرِ واجب قرار دینا۔

۳۔ وحی الٰہی کی نفسیات انسانی سے مطابقت وہم آہنگی۔

۴۔ قرآن اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی تعلیمات میں تمام زمانوں کے تمام انسانوں سے خطاب۔

۵۔ اساسات اسلامی میں وحی الٰہی کے بعد عقل اور تجربہ ومشاہدہ کو علم ومعرفت کا ذریعہ قرار دینا۔

۶۔ اسلام اور بانی اسلام کی تعلیمات اور عملی زندگی میں عبادات، ریاضت، صفائے باطن، زہدوتقویٰ، تزکیہ نفس، تطہیر قلب، جذب دروں، پاکیزگیء جسم وروح اور عشق الٰہی پر زور۔

۷۔ ہر وجود اور ہر ذی روح کی خدا کی طرف بازگشت کا اعلان، جس سے خدا کے سوا ہر وجود کی مطلقیت کی نفی کا اعلان ہوتا ہے۔

۸۔ اسلام کا ہر قسم کے تعصب سے پاک ہونا عقیدہ ومذہب کے اختیار و اظہار میں آزادی اور جبر واکراہ سے برأت۔

۹۔ آزادیء اجتہاد۔

۱۰۔ نومسلموں کا اپنے سابقہ فکری وذہنی سانچوں کے ساتھ اسلام قبول کرنے کے بعد اساسات وعبادات اسلام کے متعلق سوالات اٹھانا۔

۱۱۔ غیر مسلموں کے اعتراضات و استفسارات اور مسلمانوں کے ساتھ مجادلے، مباحثے اور مناظرے۔

۱۲۔ بانی ء اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسلام کے ابتدائی ادوار میں بالخصوص پہلی صدی ہجری کے نصف آخر میں بعض ناخوشگوار واقعات وسانحات کا وقوع، جن کا اصل اسلام سے براہ راست تعلق تھا۔

**کلام، فلسفہ اور تصوف کا عمومی تعارف**

اسلام کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی تین بڑی علمی وفکری تحریکوں کلام، فلسفہ اور تصوف میں کچھ اختلافات ہیں اور کچھ اشتراکات، ان تینوں علوم میں پائے جانے والے اختلافات و اشتراکات کا سبب ان کے موضوعات اور طریق کار ہیں۔

**علم کلام**

**علم کلام کا موضوع:** علم کلام عقائد کے بارے میں بحث کرتا ہے اس کا مقصد عقائد دینی کا دفاع ہوتا ہے اور یا پھر وہ عقائد دینی کا اثبات کرتا ہے جو چیز عقائد سے خارج ہوتی ہے وہ کلام میں زیر بحث نہیں آتی۔ البتہ اگر ایسے مسائل جو بلاواسطہ عقائد سے سروکار نہ رکھتے ہوں کلام میں زیرِ بحث آئیں تو عقائد کے مباحث کے لیے ایک مقدمہ کے طور پر زیرِ بحث آتے ہیں۔[6]

**علم کلام کا طریق کار:** علم کلام اپنے مباحث میں جو طریق کار اختیار کرتا ہے وہ تلفیقی ہے۔ کلام، عقلی ونقلی ہر دو طریق کار سے استفادہ کرتا ہے۔ بعض اعتقادی مسائل ایسے ہیں جن کو ثابت کرنے کے لیے کلام عقلی طریق کار استعمال کرتا ہے مثلاً اثبات ذات واجب، اثبات توحید، وغیرہ اور یہ مسائل ایسے ہیں جن میں کلام کا فلسفہ سے اشتراک ہو جاتا ہے۔ البتہ بہت

سے اعتقادی مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کو ثابت کرنے کے لیے تعقل کافی نہیں ہوتا بلکہ کتاب وسنت سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے مثلاً معاد، حیات بعد الموت، اور فرشتے وغیرہ، لہٰذا یہاں اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کو ماننے کے بعد، ان سے نص و دلیل اور حوالہ لایا جاتا ہے۔ اور یوں علم کلام کا طریق کار نقلی ہو جاتا ہے۔ پس علم کلام کا طریق کار تلفیقی ہے اور وہ عقل و نقل ہر دو سے استفادہ کرتا ہے۔7

## فلسفہ

**فلسفہ کا موضوع:** فلسفہ کا موضوع ''ہستی'' ہے۔ ذات واجب ہے اور وجود واجب ہے علم کلام بھی ذات واجب کے بارے میں بحث کرتا ہے اور فلسفہ بھی، یہاں دونوں میں اشتراک بھی پیدا ہو جاتا ہے مگر فلسفہ کے اپنے مقاصد ہوتے ہیں اور کلام کے اپنے، دونوں کا بحث کا انداز بھی مختلف ہوتا ہے۔8

**فلسفہ کا طریق کار:** فلسفہ کا طریق کار عقلانی ہوتا ہے۔ اس کی روش تعقل محض ہوتی ہے۔ فلسفہ میں استدلال اور برہان سے کام لیا جاتا ہے۔

## تصوف

**تصوف کا موضوع:** تصوف کا محور ذات مقدس الٰہی اور اس کا مقصد زہد و تقویٰ، تزکیہ نفس اور سلوک الی اللہ سے ذات حق کا تقرب و وصال ہے۔ اس کا مقصد صرف انکشاف حقیقت ہی نہیں ہوتا بلکہ وصول حقیقت بھی ہوتا ہے۔9

**تصوف کا طریقہ کار:** تصوف کا طریق کار ''کشفی'' ہے۔ تصوف کی روش سیر و سلوک ہے اس روش میں استدلال عقلی کو قابل اعتنا نہیں گردانا جاتا، بلکہ عرفا کے نزدیک استدلال و برہان

تو انکشاف حقیقت اور اتصال حق کی منزل کو دور کر دیتا ہے اور اس سفر کو طویل کر دیتا ہے۔10

## علم کلام اور فلسفہ کی روش میں اختلاف کا بیان

اگر چہ کلام اور فلسفہ دونوں استدلال سے کام لیتے ہیں لیکن فلسفہ کے استدلال کو استدلال برہانی کہتے ہیں جب کہ کلام کے استدلال کو استدلال جدلی کہتے ہیں برہان میں بدیہات Self Evidents سے استدلال کیا جاتا ہے جب کہ جدل میں مشہورات سے استدلال کیا جاتا ہے۔مشہورات کا تعلق حسن و قبح سے ہے، متکلمین اپنے استدلال کی عمارت ''حسن و قبح ''پر تعمیر کرتے ہیں۔معتزلہ کے ہاں حسن و قبح کی حیثیت عقلی ہے جب کہ اشاعرہ کے ہاں شرعی ہے۔کلام کی اس روش پر اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جدلی روش محدود ہے حسن و قبح انسان کی زندگی تک محدود ہے لہٰذا خدا، کائنات وجود اور اصول دین کے اثبات کے لیے مشہورات کی بجائے بدیہات یعنی جدل کی بجائے برہان کو استعمال کرنا چاہیے۔11 (اسلامی علم کلام بعد ازاں جدلی رنگ میں ڈھل گیا جس کا بیان آئندہ آئے گا۔)

کلام، فلسفہ اور تصوف کے اس موضوعاتی اور طریق کار کے اختلاف کی وجہ سے حکماء اسلامی نے علوم کو درج ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے۔

۱۔ حکمتِ جدلی یعنی علم کلام: جس کا استدلال مشہورات پر ہوتا ہے۔

۲۔ حکمتِ استدلالی یعنی فلسفہ و منطق: جس کا استدلال بدیہات اولیہ پر ہوتا ہے۔

۳۔ حکمتِ ذوقی یعنی تصوف: جس کا ذریعہ کشف و شہود ہے۔

۴۔ حکمتِ تجربی یعنی سائنس اور طبعی علوم: جس کا انحصار تجربہ، مشاہدہ اور حسیات پر ہوتا ہے۔12

### کلام، فلسفہ اور تصوف میں نزاع کا بیان

مذکورہ بالا اختلافِ موضوع اور اختلاف روش کے سبب ابتداً ان تینوں علوم میں باہمی نزاع اور تصادم کی فضا بھی پیدا ہوئی۔ ایک عارف کے نزدیک ایک متکلم صرف اثبات عقائد اور کلامی بحثوں تک ہی محدود رہتا ہے جب کہ ایک فلسفی سوائے خشک استدلال کے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا تھا اس کا استدلال ایک گورکھ دھندہ تھا جو حقیقت کے جویا کو راہ سے دور کر دیتا ہے اور متکلمین وفلاسفہ دونوں کا طریق کار کشف حقیقت اور وصول حق میں ناکافی ہے۔ ایک متکلم کے نزدیک ایک فلسفی اساسات دین کے لیے ایک خطرہ تھا جب کہ ایک فلسفی کے نزدیک ایک عارف کا مشاہدہ وتجربہ عقلی استدلالات پر نہ پرکھے جانے کی وجہ سے قابلِ اعتبار نہیں تھا اور اصول وتعلیمات دین وشریعت میں عقل کے استعمال سے متکلم کا گریز ایک فلسفی کے نزدیک روح اسلام کے خلاف تھا جس نے اپنی بنا ہی عقل وفطرت پر رکھی تھی۔ 13

اس باہمی اختلاف وتنازع اور مزاحمت وتصادم سے، کلام، فلسفہ اور تصوف میں نئے نئے نظریات نئے نئے موضوعات اور نئی نئی جہات کا اضافہ ہوا علوم کے نئے نئے در وا ہوئے، افکار کے نئے نئے اُفق روشن ہوئے خود ان تینوں علوم میں بڑے بڑے انقلابات وتحولات وقوع پذیر ہوئے۔ جس کے نتیجے میں ان تینوں فکری تحریکوں کے درمیان بُعد کی یہ خلیجیں رفتہ رفتہ کم ہوتی گئیں اور یوں اسلامی فکری روایت کا یہ ارتقائی سفر مرحلہ وار تکامل کی منزل کی طرف بڑھتا رہا، جو آج بھی جاری ہے، دراصل ان تینوں تحریکوں کے درمیان یہ نزاع ایک دوسرے کو ختم کرنے کے لیے نہیں تھا بلکہ ایک دوسرے کو تکامل بخشنے کی خاطر تھا اور اس کا سبب ان تینوں علوم کا بلواسطہ یا بلاواسطہ ایک مشترکہ موضوع تھا، جو ان تینوں علوم میں اساسی، فطری اور ختم نہ ہونے والے ربط وتعلق کا سبب ہے اور وہ موضوع ہے ''مسائل خداشناسی'' اور ''ذات واجب'' اور یہی وہ مشترکہ اساس ہے جس نے ڈیڑھ ہزار سال کی طویل تاریخ میں ان تینوں علوم کو ایک

دوسرے سے دور نہیں ہونے دیا اور نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے منقطع نہیں ہونے دیا، بلکہ ایک دوسرے کا معاون بنائے رکھا۔ کلام کا اثباتِ عقائد، فلسفہ کا اثباتِ ذات واجب اور تصوف کا کشفِ حقیقت ووصالِ حق دراصل ہر علم کے اپنے سانچے میں ''خداشناسی'' ہی ہے۔ آئندہ سطور میں ہم دنیائے اسلام میں ان تینوں علوم کے رشد ونمو، ارتقا اور باہمی ربط وتعلق کی ڈیڑھ ہزار سالہ دلچسپ فکری داستان کو بیان کریں گے۔

## دنیائے اسلام میں علم کلام کی ابتداء کے اسباب

وہ حالات واسباب جن کے تحت اسلام میں مختلف علوم کا ظہور ہوا، ان کو ہم گذشتہ سطور میں بیان کر چکے ہیں۔ اسلام میں دیگر سب علوم سے پہلے علم کلام معرض ظہور میں آیا۔ ایسے موضوعی ومعروضی حالات میں جب کہ ایک طرف تو نومسلموں اور غیر مسلموں کی طرف سے اساسات اسلام کے متعلق سوالات اٹھائے جارہے تھے، اور عقائد دینی پر اعتراضات کیے جارہے تھے۔ اور دوسری طرف خود اسلامی دنیا میں بعض ایسے ناخوشگوار واقعات ظہور پذیر ہو رہے تھے جن کا اصل اسلام سے براہِ راست تعلق تھا علم کلام (یعنی عقائد واصول دین کا دفاع و اثبات) کا ظہور یقینی تھا۔ لہٰذا پہلی صدی کے نصف آخر میں جبریہ، قدریہ، مرجئیہ، وعیدیہ کے مباحث سے گزرتا ہوا معبدجہنی اور غیلان دمشقی کے خون سے جلا پاتا ہوا علم کلام، دوسری صدی ہجری میں معتزلہ کے مکتب کی شکل میں منظم صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس مکتب کے بنیادی خصائص یا اساسی روح مذہبی معاملات اور معتقدات دینی کے بیان واثبات میں، نقل سے زیادہ عقل، روایت سے زیادہ درایت اور اقوال سے زیادہ برہان و استدلال کا استعمال اور ان پر انحصار ہے۔ 14

شہرستانی کے مطابق ابتدائی کلامی مباحث مندرجہ ذیل چار موضوعات کے گرد گھومتے تھے:

۱۔ ذات وصفاتِ الٰہی

۲۔ جبر وقدر

۳۔ عقیدہ اور عمل

۴۔ عقل اور نقل 15

معتزلہ کی روش کو عقل ونقل کی روش کہا جاتا ہے یعنی اس میں نقل سے پہلے عقل کو استعمال کیا جاتا ہے۔ فقہاء وروایت پسند حلقوں کی طرف سے شروع ہی سے اس مکتب کو مخالفت کا سامنا تھا۔ لیکن جب عباسی دور میں معتزلہ کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی تو مخالفت تو جاری رہی مگر مخالفین کھل کر سامنے نہ آسکے۔ البتہ معتزلہ کے خلاف روایت پرست حلقوں کی یہ مخالفت اس وقت شدت کا رُخ اختیار کرتی ہے جب معتزلہ نے جبر وقہر سے اپنے عقائد بالخصوص خلق قرآن جیسے مسئلے کو لوگوں سے منوانا چاہا۔ معتزلہ کی یہ انتہا پسندی خود معتزلہ کے زوال کا سبب بن گئی۔ امام احمد بن حنبل اور دیگر جید علماء وفقہاء نے معتزلہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، معتزلہ کے مکتب پر شدید تنقیدیں ہونے لگیں، روایت پسند حلقوں اور عامتہ الناس میں معتزلہ سے نفرت اور بے زاری پیدا ہونے لگی اور یوں معتزلی مکتب کی شکست وریخت کا عمل شروع ہوا۔ جو ایک مکتب (معتزلہ) کے اختتام اور ایک نئے مکتب (اشاعرہ) کی تشکیل کے لیے زمینہ کی ہمواری کے ساتھ ساتھ علم کلام کے ایک دور کے خاتمہ کی بھی نشاندہی کرر ہا تھا۔ 16

**دنیائے اسلام میں فلسفہ کی ابتدا وارتقاء**

جہاں تک فلسفہ کا تعلق ہے۔ اگر چہ فلسفیانہ مباحث بھی اسلام کی اصل سے تعلق رکھتے ہیں۔ خود اسلام اور اسلامی تعلیمات کے اندر ہی تمام فلسفیانہ علوم کے ظہور، نمو اور فروغ کے بیج

شامل ہیں اور ابتدائی کلامی مباحث میں مناظرے، مجادلے اور استدلال کے دوران فلسفیانہ جہت بھی نمو پا رہی تھی پھر دیگر زبانوں سے فلسفہ و منطق کی کتابوں کے تراجم نے اس نہج فکر کو مزید وسعت عطا کی مگر دوسری صدی ہجری کے آخر میں باقاعدہ طور پر فلسفہ کا مکتب تشکیل دینے کا سہرا ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی (۲۵۸۔۱۸۵ھ) کے سر ہے جس کو فیلسوف العرب بھی کہا جاتا ہے الکندی سے پہلے بہت سے افراد تھے جنھوں نے اس مکتب کی تشکیل کے لیے زمینہ ہموار کیا، اور بعض نے تو الکندی سے قبل ایران کے ایک ایرانشہری نامی اولین فلسفی کا تذکرہ کیا ہے جس نے الکندی سے بھی پہلے اس مکتب کی تاسیس کی۔ لیکن ایرانشہری کی کوئی تحریر زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہی جو اس کا یہ مقام ثابت کر سکے۔ 17

## اسلام میں فلسفہ کا مشائی مکتب

اس فلسفیانہ مکتب کو مکتب مشاء اسلامی کا نام دیا جاتا ہے۔ اس مکتب میں یونانی مفکرین میں سے افلاطون کی نسبت ارسطو کی طرف زیادہ رجحان پایا جاتا ہے اور ارسطو کی مناسبت سے ہی اس مکتب کو مشائی مکتب کا نام دیا گیا۔ الکندی کے بعد بہت سے دیگر مفکرین جن میں الکندی کے ہم عصر اور شاگرد شامل ہیں نے اس مکتب کو آگے بڑھایا اس مکتب کے دیگر سربرآوردہ مفکرین میں فارابی (۳۳۹۔۲۵۷ھ) اور ابوبکر محمد زکریا رازی (۳۱۳۔۲۵۱ھ) کے نام ملتے ہیں۔ لیکن وہ عظیم فلسفی جس نے اسلامی مشائی مکتب کو عروج پر پہنچا دیا وہ بوعلی سینا (۴۲۸۔۳۷۰ھ) ہے۔ بوعلی سینا جو کہ صاحب نظام فلسفی تھا اس کے بعد کوئی دوسرا فلسفی اس مکتب میں خاطر خواہ اضافہ نہ کر سکا۔

## اسماعیلیہ اور اخوان الصفاء

تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری میں دو اور فکری تحریکیں اسماعیلیہ

(تیسری صدی کا آخر) اور اخوان الصفاء (چوتھی صدی ہجری کے نصف دوم میں) اسلام کے علمی منظر پر ابھرتی ہیں۔ان دونوں تحریکوں کا نمایاں اور مشترکہ وصف عقلیت اور آزادخیالی کی طرف جھکاؤ تھا۔ اس کے علاوہ فلسفہ، مذہب، سائنس اور مابعد الطبعیات ان کے پسندیدہ موضوع تھے۔اسماعیلیہ کا ایک خاص طریقہ کارتاویل اور تفسیر کا سہارا لینا تھا۔ان کو باطنیہ کا نام بھی دیا گیا۔تاویل میں اسماعیلیہ اس قدر آگے نکل گئے کہ ان کے ہاں مذہبی عقائد کی اصل صورت ہی مسخ ہوگئی۔بہر حال ان مباحث سے قطع نظر ہم زیرِنظر مباحث کے حوالے سے یہی کہنا چاہیں گے کہ ان دونوں تحریکوں کی خدمات عقلیت کے فروغ اور آزادخیالی کے احیا کے ضمن میں شمار کی جا سکتی ہیں۔عقلیت اور آزادخیالی جس پر اس زمانے میں زبردست حملے ہو رہے تھے اور اس پر شدید تنقیدیں جاری تھیں۔انھوں نے حتیٰ المقدور دانستہ یا دانستہ اسے سہارا دینے کی کوشش کی۔18

## تصوف

ابتدائی دور میں کلام وفلسفہ کے بیان کے بعد اب ہم تصوف کی طرف رجوع کرتے ہیں وحی الٰہی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فکری اور سیرت طیبہؑ ہادی برحق سے عملی غذا حاصل کرنے والے شعبہ فکروعمل ''تصوف'' کا زمین وآسمان اسلام ہی ہے۔

اسلام اور بانی اسلام ﷺ کی تعلیمات میں تصوف وعرفان (جس کی روش تزکیہ نفس، صفائے باطن جذب دروں اور تطہیر قلب ہے) کے مقام ومنزلت اور ضرورت واہمیت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ اللہ رب العزت کی خلاقیت کے سب سے بڑے شاہکار اور انسانیت کے لیے نمونہ کامل سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں تزکیہ نفس کا بالاخص یوں تذکرہ ملتا ہے:

> اور (اللہ) وہ ہے جس نے اُمیین میں سے ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرتا ہے ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔[19]

اور تزکیہ نفس ۔۔۔۔۔عرفان کی روش کی اساس ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کے اہل بیت اطہارؑ اور صحابہ کرامؓ کی قابل تقلید، پاکیزہ اور بے مثال زندگیاں طالبانِ حق کو جادۂ عرفان (تصوف) پر گامزن کرنے کے لیے ہمیشہ بنیادی محرک کا کام دیتی رہی ہیں۔

عرفاء کو درج ذیل تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ متقدمین،

۲۔ متوسطین،

۳۔ متاخرین

مذکورہ تینوں ادوار کے امتیازات کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

دور اولین میں عرفاء پر خوف کا غلبہ تھا اور روح تعبد حاوی تھی۔ اس لیے اس دور کے عرفاء کا امتیازی وصف ''مخافۃ'' کہا جا سکتا ہے۔

دور متوسط میں عرفاء پر تعبد اور خوف کی منزل سے گزرنے کے بعد معرفت وشناخت الٰہی کا غلبہ نظر آتا ہے لہٰذا اس دور کا امتیازی وصف ''معارفۃ'' نظر آتا ہے۔

دور آخر میں عرفاء پر خوف، تعبد اور معرفت کی منزل سے گزرنے کے بعد ذات حق اور ہر ظہور حق (تمام مخلوقات الٰہی) سے شدید، بے لوث، ہمہ گیر اور آفاقی محبت کا غلبہ نظر آتا ہے

عرفان میں محبت کے غلبے کا یہ آفاقی دورتا حال جاری ہے ۔لہٰذا دور آخر کے تصوف وعرفان کا امتیازی وصف ''محبت'' ہے ۔[20]

## مذکورہ بالا ابتدائی دور میں کلام، فلسفہ اور تصوف کا طریق کار اور روش

اس دور میں کلام کا جھکاؤ اگر چہ عقلیت کی طرف تھا اور اس سے عقلیت کو فروغ بھی ملا مگر غالب روش اور طریق کار جدلی استدلال تھا یعنی متکلمین ''مشہورات'' سے استدلال کرتے تھے فلسفہ کی روش خالص عقلی تھی اور فلاسفہ برہانی استدلال یعنی بدیہات ( Self Evidents ) سے اپنے مباحث کو آگے بڑھاتے تھے ۔تصوف کی روش تزکیہ، زہدوتقوی، روحانی تجربہ، سیروسلوک، وجدان اور کشف وشہودوغیرہ تھی ۔

## اس ابتدائی دور میں کلام، فلسفہ اور تصوف میں باہمی ربط وتعلق کا بیان

ابتدا میں کلام، فلسفہ اور تصوف میں کوئی خاطر خواہ ربط نہ تھا، تینوں بظاہر ایک دوسرے کو اپنا حریف سمجھتے تھے ۔لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ تینوں کا آپس میں بالکل ہی کسی قسم کا تعلق نہ تھا معتزلی مکتب کی 'عقلیت پسندی' اور فلسفہ کی 'مجرد عقلیت' دونوں میں ربط کی راہیں وا کر رہی تھیں ۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ فلسفہ کا ابوالآباء کندی معتزلہ کی طرف اپنا رجحان رکھتا تھا دوسری طرف معتزلہ نے اگر چہ ابتدا تو عقائد سے کی تھی مگر مابعد الطبیعیاتی مسائل ان کے مباحث میں شامل ہو گئے ۔

تصوف کا اگر چہ ابتدائی ہدف تو زہدوتقوی، تزکیہ نفس اور تطہیر قلب وغیرہ تھا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ معتقدات اسلامی کے تحفظ کے مشترکہ ہدف کی وجہ سے وہ ایک طرف تو فلاسفہ کے مقابلے میں متکلمین کے ہم نوا تھے اور دوسری طرف فلاسفہ کے ناقد ومعترض بھی تھے جس کی

بڑی وجہ فلسفہ مشاء میں فلسفہ ارسطو کے استدلالی میلان کی اثر پذیری تھی ۔لیکن یہاں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسی دور میں تصوف کے معرفت وتعقل کی طرف رجحان اور فلسفیانہ ومابعد الطبیعیاتی مسائل کی حدودِ تصوف میں دخالت کی وجہ سے خود فلسفہ وتصوف میں اشتراک کی راہ ہموار ہورہی تھی ۔لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر چہ اس دور میں کلام، فلسفہ اور تصوف کے باہمی تعلق کا غالب اثر اور ظاہری جذبہ، تخالف، تقابل اور تنازع کا نظر آتا ہے مگر کئی جہات سے در پردہ ان تینوں علوم میں تقارب واشتراک کی راہیں بھی ہموار ہورہی تھیں ۔ 21 اگر چہ اس دور کے کلام، فلسفہ، تصوف اور فقہ میں بظاہر کوئی خاص ربط وتعلق نظر نہیں آتا ۔

## اسلام کی علمی وفکری دنیا میں تنقیدی دور کا آغاز

اس دور میں علوم کے مختلف شعبوں کی طرف سے ایک دوسرے پر تنقید کا باقاعدہ بازار گرم ہوتا ہے ۔ان تنقیدوں کے جواب دیئے جاتے ہیں سوال وجواب کی تحقیقی اور تجزیاتی وتحلیلی فضا میں مختلف علوم وافکار پر نظریات کے نئے نئے اُفق واہوتے ہیں، سابقہ عظیم الشان علمی وفکری نظاموں کے شاندار محل رفتہ رفتہ شکست وریخت کا شکار ہو کر زمیں بوس ہو جاتے ہیں ۔نتیجۃً پرانے رویوں میں تبدیلی کا عمل شروع ہوتا ہے، گذشتہ روش متغیر ہونا شروع ہو جاتی ہے، مختلف شعبوں کے علمی وفکری منظر پر نئے حالات وواقعات کے تناظر میں جہاں بہت سی نئی جہات کا اضافہ ہوتا ہے وہیں بہت کچھ محو بھی ہو جاتا ہے اور یوں اس مرحلے میں نئے نئے نظامات فکر کی تشکیل کے لیے تیاری کا عمل مکمل ہو جاتا ہے ۔

## دنیائے اسلام کی تنقیدی فضا میں غزالی کی خدمات

چوتھی اور پانچویں صدی کی اسلامی دنیا کے نامور فقیہ، متکلم، فلسفی اور صوفی، امام غزالی (۴۵۰ـ۵۰۵ھ) نے متکلمین (بالخصوص، اشعری) کے بارے میں ہمدردانہ نقطہ نظر رکھتے

ہوئے بحیثیت ایک صوفی فلسفہ مشاء کی پوری عمارت پر زبردست حملے کیے جس نے مشائی فلسفہ کی عمارت کے انہدام اور زوال کے عمل کو انتہا تک پہنچادیا غزالی نے فلسفیوں کی آراءوعقائدکو اپنی کتاب مقاصد الفلاسفہ میں پیش کیا جس سے فلسفہ میں غزالی کی گہری نظر اور مہارت کا ثبوت ملتا ہے پھر تہافتہ الفلاسفہ میں غزالی نے فلسفیوں کی آراءو افکار پر زبردست تنقید کر کے ان کے نظریات کے سقم اور مجرو عقلیت کی بے بضاعتی کا پول کھول دیا۔اور مشکوٰۃ الانوار اور رسالتہ **الدینیہ** لکھ کر ماورائے عقل ذریعہ علم کا اثبات کیا، تصوف کے فروغ کے لیے مضبوط بنیادیں مہیا کیں اور یوں اس نے مجردعقلیت کی راہ میں بند باندھتے ہوئے ایک طرف تو فلسفہ اشراق کے لیے مقدمات مہیا کیے اور دوسری طرف ابن عربی کی عارفانہ تحریروں کے رجحانات کی پیشگی نشاندہی کی۔22 غزالی کے کارناموں کو مختصراً ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ دنیائے اسلام میں غزالی نے مجردعقلیت کا زورتوڑدیا۔

۲۔ فلسفہ مشاء کی عالی شان عمارت کے انہدام کے عمل کو تکمیل تک پہنچادیا۔

۳۔ ماورائے عقل وحس ذریعہ علم کے وجودواثبات پر زوردیا۔

۴۔ تصوف کو کلام، فلسفہ اور دیگر تمام علوم سے افضل قراردیا۔

۵۔ فلسفہ اشراق (حکمت اشراق) کی تشکیل وتعمیر کے لیے ابتدائی موادومسالہ فراہم کیا۔

۶۔ ابن عربی کی عارفانہ تحریروں کے خطوط اور رجحانات کی پیش گوئی کی۔

۷۔ وحی، الہام، کشف، شہود، وجدان، روحانی تجربہ (جو سرزمین مشرق کا ہمیشہ سے خاص امتیاز رہا ہے)۔اس کو سرزمین مشرق میں دوبارہ ترویج دی۔

## حکمت الاشراق کے لیے فضا کی سازگاری

عقلیت پر تنقید بالخصوص غزالی کے حملوں کے جواب میں چھٹی صدی ہجری کے نصف اول میں ابن رشد اندلسی۔ فلسفی (۵۹۸۔۵۲۶ھ) فلسفہ مشاء کی حمایت میں سینہ سپر ہوا اس نے غزالی کی تہافتہ الفلاسفہ کے جواب اور فلاسفہ کے دفاع میں تہافتہ التہافتہ تحریر کی لیکن ابن رشد کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی اور اس کی کوششیں عقلیت کے زوال کے عمل کو نہ روک سکیں۔ غزالی کے بعد نامور متکلم، مفسر اور شارح امام فخر الدین رازی (۶۰۶۔۵۴۴ھ) نے غزالی کے اس تنقیدی مشن کو مزید آگے بڑھایا حتی کہ چھٹی صدی ہجری کے نصف اول میں نئے نظام ہائے فکر ،نئی علمی روشوں اور نئے رویوں کی تشکیل کے لیے ابتدائی مواد و مسالے کی فراہمی کے ساتھ اسلام کی دنیائے علم وفکر کے اس تنقیدی اور عبوری دور کا خاتمہ فلسفہ اشراق (حکمت الاشراق) کے بانی شیخ الاشراق شیخ شہاب الدین سہروردی المعروف شیخ مقتول (۵۸۷ / ۵۸۶۔۵۴۸ھ) کے ظہور کے ساتھ ہو گیا۔ اور دنیائے اسلام کی ذہنی کھیتیوں میں علم وفکر وتخیل کی نئی فصلیں لہلہانے لگیں۔23

## حکمت الاشراق

چھٹی صدی ہجری کے نصف آخر میں شیخ الاشراق شیخ شہاب الدین سہروردی شیخ مقتول (۵۸۷یا۵۸۶۔۵۴۸ھ) کے فلسفہ اشراق (جس کو شیخ اشراق نے حکمتہ الاشراق کا نام دیا) کی صورت میں ایک ایسا نظام فکر معرض ظہور میں آیا جس کو فلسفہ اور تصوف کے درمیان برزخ قرار دینا چاہیے۔

فلسفہ اشراق کی روش کے دو بنیادی ستون ہیں:

۱۔ عقلی استدلال و برہان

۲۔ مجاہدہ وتزکیہ نفس 24

فلسفہ اشراق کے نزدیک تنہا استدلال و برہانِ عقلی کی بنا پر کشفِ حقائقِ عالم ممکن نہیں حکمتہ الاشراق کے تمام دستور وقوانین اور اساسیات کو شیخ اشراق نے اپنی معروف اور شہرہ آفاق تالیف حکمتہ الاشراق میں بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ تلویحات، مطارحات، مقاومات اور ھیاکل النور وغیرہ شیخ کی خاص طور پر قابل ذکر کتابیں ہیں فارسی میں ''آواز پر جبریل'' اور ''عقل سرخ'' وغیرہ جیسے کئی اہم فارسی رسائل بھی موجود ہیں فلسفہ اشراق نے فلسفہ اور تصوف کو قریب لانے میں بنیادی کردار ادا کیا اس سے فلسفہ اور تصوف کے قریب ہونے کی راہ باقاعدہ طور پر ایک نظامِ فکر کی صورت میں مرتب و مدون اور استوار ہوگئی۔

**ابن العربی (شیخ اکبر محی الدین ابن عربی حاتم طائی اندلسی ساتویں صدی ہجری کے نامورترین عارف)**

فلسفہ وتصوف کے اشتراک و اتحاد کی اس روش کو بعد ازاں دنیائے اسلام کے عظیم ترین صوفی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۶۳۸۔۵۶۰ھ) نے مزید فروغ اور وسعت عطا کی۔ شیخ اکبر ابن عربی کے نام سے سینکڑوں کتابیں منسوب ہیں۔ ابن عربی کی فصوص الحکم جو کہ ۲۷ ابواب پر مشتمل ہے اور فتوحات مکہ جو کہ ۵۶۰ ابواب پر مشتمل ہے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ''فتوحات'' میں اصول مابعد الطبیعیات، شیخ اکبر کے روحانی تجربات، عقائد تصوف، متصوفانہ مابعد الطبیعیات، اور باطنی علوم کے بیان نے دنیائے اسلام میں فلسفہ وتصوف کے سفرِ تقارب کو بہت آسان سریع، سبک اور واضح کر دیا۔ ابن عربی نے اپنے عرفان سے فلسفہ وتصوف کے باہمی تصادم وتنازع کے مسئلے کو بہت حد تک حل ہونے کی راہ پہ ڈال دیا۔ مثلاً ابن عربی سے پہلے تصوف کی صرف ایک ہی جہت تھی یعنی عرفان عملی۔ لیکن ابن عربی نے تصوف میں فلسفیانہ

ومابعد الطبیعیاتی مسائل شامل کر کے تصوف کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا یعنی

(۱) عرفان عملی

(۲) عرفان نظری

ابن عربی کی اس تقسیم نے تصوف اور فلسفہ کے تقارب، اتحاد اور اشتراک کی حدود کے تعین کے نہائی مرحلے کے لیے مضبوط اساسات فراہم کیں جو بعد ازاں ملا صدرا کے ذریعے انجام پذیر ہوا۔ 25

**حکمت ملاصدرا**

اس دور کا آغاز گیارہویں صدی ہجری (سترہویں صدی عیسویں) میں عظیم و بے مثل فلسفی، فقیہ، متکلم اور عارف ملا صدرا (متوفی ۱۰۵۱ھ) کے عظیم فلسفیانہ نظام کی تشکیل سے ہوا۔ جس کو خود ملا صدرا نے "حکمت متعالیہ" کا نام دیا اسی وجہ سے ان کو "صدر المتالہین" کہا جاتا ہے ان کو الٰہی فلسفی یا حکیم الٰہی بھی کہا جاتا ہے۔ ملا صدرا کی حکمت متعالیہ میں تمام فکری تحریکیں کلام، فلسفہ اور تصوف نہایت عمدہ ربط اور نظم کے ساتھ ایک بالکل نئی صورت میں جمع ہو گئیں ملا صدرا نے فلسفہ مشاء اور فلسفہ اشراق کے تمام عمدہ اور مثبت عناصر، ابن عربی کے عرفان، کلامی مباحث کی عقلی بنیادوں پر تفہیم اور شرع متین کو ملا کر ایک جامع، وسیع، ہمہ گیر اور ہمہ جہات نظام فکر تعمیر کیا، جس میں اگر چہ سابقہ نظاموں سے استفادہ کیا گیا مگر وہ ایک تخلیقی نظام ہے۔ ملا صدرا کے اس نظام فکر کو ایرانی فکر کے تکامل اور ارتقا کے سفر کا ایک نہایت اعلیٰ اور عمدہ مرحلہ قرار دیا جانا چاہیے۔ ملا صدرا کے نظام فکر کی وسعت اور جامعیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اگر چہ ملا صدرا کے بعد بھی بہت سے نامور مفکرین سرزمین ایران میں پیدا ہوئے، مگر ان

سے بڑھ کر جامع اور ہمہ گیر نظام فکر پیش کرنے والا کوئی فلسفی تا حال سرزمین ایران میں پیدا نہیں ہوا۔ ملاصدرا کے بعد ایران میں جتنے بھی مفکر پیدا ہوئے وہ ملاصدرا کے نظریات کے شارح، مفسر، اور ماسوائے چند اختلافات کے ان کے نظام فکر کو ہی آگے بڑھانے والے ہیں اور تا حال ایران میں ملاصدرا کا ہی مکتب اور نظام فکر جاری وساری ہے۔ 26

گذشتہ صفحات میں اسلامی فکری روایت کے بیان سے یہ باتیں اخذ ہوتی ہیں:

۱۔ ابتدا میں مختلف علوم کلام، فلسفہ، تصوف اور فقہ میں ایک نزاع تھا جو رفتہ رفتہ حل ہو گیا، تمام علوم کا ایک مقام اور حدود متعین ہو گئیں اور یوں اب اسلامی فکر روایت کے تاج محل کی تعمیر میں ہر فکری تحریک اپنی اپنی جگہ ایک نہایت اہم، موثر اور مربوط کردار ادا کر رہی ہے، تمام علوم ایک ہی جہت میں اپنے اپنے دائرہ کار وامکانات اور نوعیت وماہیت کے ساتھ گامزن ہیں۔ اگر ان تمام فکری تحریکات کو ایک کل کے پرزوں سے تشبیہ دی جائے تو نامناسب نہ ہوگا کہ ہر ایک الگ الگ اپنا اپنا کردار ادا کر رہا ہے لیکن ہر ایک، ایک ہی نظم کی تشکیل، تعمیر اور پیش رفت میں متحرک و فعال اور سرگرم ہے۔ گویا تمام اکائیاں ایک ہی نظام تشکیل دے رہی ہیں اور وہ ہے اسلامی فکر روایت ......!

۲۔ اسلامی فکری روایت میں کوئی انقطاع اور انتشار نہیں ہے بلکہ یہ روز اول سے ہی ایک تسلسل اور ربط کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اور ''مستشرقین کا یہ الزام کہ کلام، فلسفہ اور تصوف الگ الگ حصوں میں بٹے ہوئے ہیں، جن کا کوئی باہمی تعلق نہیں، اسلام میں فلسفہ ابن سینا اور ابن رشد پر ختم ہو گیا، کلام متناقض ومتضاد مباحث کا مجموعہ ہے جبکہ تصوف غیر اسلامی اثرات کا نتیجہ ہے اور یہ کہ اسلامی فکری روایت

میں نہ کوئی ربط ہے اور نہ کوئی تسلسل' از خود غلط ثابت ہو جاتا ہے اور اس سے ان کے تعصب یا اسلامی فکری روایت سے ناآگاہی کی نشاندہی ہوتی ہے۔

۳۔ اسلامی فکری روایت نے اٹھارویں صدی سے ہی مغرب کے فکری سرمائے کے مطالعے اور اس کی تنقید اور اس سے استفادے کی کوشش کا آغاز کیا۔ اور یوں اسلامی فکری روایت صرف مابعد الطبیعیات تک محدود نہیں رہی بلکہ اس نے فکر سے عمل کی طرف بھی سفر کیا۔ یوں فکری نظام عمل کے پیرائے میں بھی ڈھلنا شروع ہوا۔

# حوالہ جات


1. Maurice Bloomfield, *The Religion of Rigveda*. Putnam, N. Y. 1908, p. 10.
2. W. T. Stace, *A Critical History of Greek Philosophy*. London: Macmillan Co. Ltd., 1962, pp. 14-19 and pp. 334-337.
3. ذبیح اللہ، ڈاکٹر، صفا، تاریخ تمدن عقلی در ایران، تہران، انتشارات دانشگاہ ۱۳۳۶، جلد اوّل، ص ۱۷۔
4. ایضاً ص ۱۸۔
5. ایضاً ص ۳۵۔
6. جعفر سجادی، سید، ڈاکٹر، حکمت اسلامی و فلسفہ یونانی، تہران، نہضت زنان مسلمان خیابان جمہوری اسلامی، ص ۷۔
7. ایضاً ص ۲۰۔
8. ملا صدرا، مفاتیح الغیب، تہران، انتشارات صدرا ۱۳۶۲، مقدمہ، ص ۲۷۔
9. شہاب الدین، شیخ، سہروردی، عوارف المعارف، تہران، وزارت فرہنگ و آموزش عالی۔ مقدمہ۔
10. ایضاً ص ۱۱۹۔
11. احمد احمدی، ڈاکٹر، فلسفہ در ایران ۱۳۶۴، مقدمہ مجموعہ مقالات فلسفی، تہران انتشارات حکمت ۱۳۶۶، ص ۲۱۲۔
12. یحیٰ، سید، ڈاکٹر، یثربی، فلسفہ عرفان، قم، دفتر تبلیغات اسلامی ۱۳۷۰، ص ۲۵۔ ۲۷۔

13 جعفر سجادی، سید، ڈاکٹر، حکمت اسلامی و فلسفہ یونانی، تہران، نہضت زنان مسلمان خیابان جمہوری اسلامی، ص ۴۰۔

14 احمد احمدی، ڈاکٹر، فلسفہ در ایران، مجموعہ مقالات فلسفی، تہران انتشارات حکمت ۱۳۶۶، ص ۱۲۷۔

15 ابوالفتح محمد عبدالکریم شہرستانی، الملل والنحل، تہران، چاپخانہ علمی ۱۳۲۱، ص ۴۔

16 احمد احمدی، ڈاکٹر، فلسفہ در ایران، مجموعہ مقالات فلسفی، تہران انتشارات حکمت ۱۳۶۶، ص ۱۳۳۔

17 حسین نصر، سید، ڈاکٹر، تین مسلمان فیلسوف (مترجم پروفیسر محمد منور) لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۷، ص ۲۷۔

18 جعفر سجادی، سید، ڈاکٹر، حکمت اسلامی و فلسفہ یونانی، تہران، نہضت زنان مسلمان خیابان جمہوری اسلامی، ص ۴۴ ـ ۴۵۔

19 القرآن الحکیم، پ ۲۸، سورہ جمعہ، آیہ ۲، لاہور، تاج کمپنی لمیٹڈ ۱۹۷۵۔

20 شہاب الدین، شیخ، سہروردی، عوارف المعارف، تہران، وزارت فرہنگ و آموزش عالی، ۱۳۶۴، مقدمہ۔

21 جعفر سجادی، سید، ڈاکٹر، حکمت اسلامی و فلسفہ یونانی، تہران، نہضت زنان مسلمان خیابان جمہوری اسلامی، ص ص ۳۱ ـ ۳۳۔

22 حسین نصر، سید، ڈاکٹر، تین مسلمان فیلسوف (مترجم پروفیسر محمد منور) لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۷، ص ۱۲۶۔

23 احمد احمدی، ڈاکٹر، فلسفہ در ایران، مجموعہ مقالات فلسفی، تہران انتشارات حکمت ۱۳۶۶، ص ۱۹۳۔

24 ملا صدرا، مفاتیح الغیب، تہران، انتشارات صدرا ۱۳۶۲، مقدمہ ص ۲۵۔

25 حسین نصر، سید، ڈاکٹر، تین مسلمان فیلسوف (مترجم پروفیسر محمد منور) لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۷ء، ص۱۶۴۔

26 احمد احمدی، ڈاکٹر، فلسفہ در ایران، مجموعہ مقالات فلسفی، تہران انتشارات حکمت ۱۳۶۶، ص۲۲۷۔